خاندان اور معاشرے میں حقوق خواتین کا مسئلہ

آیۃ اللہ شہید مرتضیٰ مطہری رحمہ اللہ

ترجمہ: جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب

ہمارے عہد کے تقاضے، بہت سے مسائل پر دوبارہ نظر کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ مسائل پرانی قدروں کے بجائے نئی قدروں کے طلبگار ہیں۔ ان بہت سے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے:

خاندانی ذمہ داریاں اور نظامِ حقوق خواتین

آج فرض کیا جاچکا ہے کہ موجودہ ماحول میں اصل موضوع ہے۔ آزادیِ نسواں......اور...... ''قانونی مساوات مرد و زن''۔ باقی مسائل انھیں دونوں کے ضمنی مسائل ہیں۔ اس پر زور دینے کی وجہ اور اس کے اسباب وعلل پر گفتگو آگے ہوگی۔

''عائلی قوانین'' اور نظام حقوق کے ضمن میں ہمارے نقطۂ نظر سے اصل بنیادی...... یا بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ آیا ''عائلی نظام'' مختلف معاشرتی نظاموں سے کوئی جداگانہ نظام ہے؟ یا اس کی منطق یا اس کا معیار دوسری منطقوں اور معیاروں سے کسی خصوصیت کی بنا پر خاص اہمیت رکھتا ہے؟ وہ عقلی دلائل جو معاشرے کے بہت سے اداروں میں کام آتے ہیں، ان کی حیثیت بدل جاتی ہے؟ یا اس معاشرتی گروپ میں دوسرے گروپوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے؟ اس یونٹ میں وہی منطق اور وہی معیار کام آتے ہیں جو دوسرے معاشرتی اداروں (یونٹوں) میں بروئے کار ہیں؟

اس پریشانی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے ادارے دورکنی، ''دوجنسی'' ہیں۔ دوسری طرف والدین اور اولاد کا نسلی تسلسل ہے۔ کارخانۂ قدرت نے اس یونٹ کی وضع ''باہمی مشابہت کے فقدان'' اور ''عدمِ یکسانیت'' پر رکھی ہے۔ ان دونوں کے کیفیات میں اختلاف موجود ہے۔

خاندانی معاشرہ...... ''طبعی...... باہمی مفاہمت'' کا معاشرہ ہے۔ اور دو معاشرتی یونٹوں کی درمیانی کڑی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی ''مماکھی'' اور ''چیونٹی'' جن کے تمام قانون قاعدے طبیعت وجبلّت کی جہت سے معین ہیں۔ ان سے سرتابی ممکن نہیں۔ اور ایک مفاہمتی معاشرتی یونٹ جیسے انسانی مدنی معاشرہ کہ اس میں طبیعی وجبلّی پہلو کا دخل کم ہے۔

سب جانتے ہیں...... ماضی بعید کے فلاسفہ، خاندانی فلسفۂ حیات کو ''حکمت عملی'' کا ایک مستقل باب مانتے ہیں۔ افلاطون نے ''رسالۂ جمہوریت'' اور ارسطو نے ''کتاب سیاست'' اور بوعلی سینا نے ''کتاب الشفا'' میں موضوع کو اسی زاویے سے دیکھا ہے۔

معاشرے اور ''حقوق زن'' پر گفتگو میں بھی طبعی طور پر یہ بحث ہے کہ طبعی وانسانی جہت سے مرد وزن کے حقوق یکساں و ہم آہنگ ہیں؟ یا ایک دوسرے سے الگ الگ اور ہم آہنگی سے دور ہیں؟ یعنی، خلقت وفطرت نے جو حقوق

انسان کوعطا کئے ہیں؟ وہ خلقتاً یک جنسی ہیں یا دوجنسی؟ آیا حقوق وفرائض معاشرہ میں ''مردانگی'' اور ''نسوانیت'' کا عمل دخل ہے؟ یا تکوین وتخلیق کی منطق میں دونوں طبیعی زاویے سے ایک جنس ہیں؟

مغربی دنیا نے سترہویں صدی عیسوی کے بعد علمی وفلسفی تحریکیں شروع کیں جس کے نتیجے میں ''حقوق بشر'' کے نام سے معاشرتی میدان میں بھی ایک تحریک نے جنم لیا۔ سترہویں، اٹھارویں صدی میں مفکروں اور ادیبوں نے اپنا فکری اثاثہ عوام میں تقسیم کرکے انسان کے ناقابل سلب وانتقال فطری حقوق کی بحث عام کردی اور قابل تعریف محنت کی۔

جان جوک روسو، والٹیر، مان ٹسکو، اسی گروپ کے مفکر وادیب تھے۔ ان لوگوں کا انسانی معاشرے کی تعلیم وتربیت پر حق بھی ہے۔ یہ دعویٰ کرنا بے جا نہیں کہ انسانی معاشرے پر ان کا حق اسی قسم کا ہے جیسا اور جتنا ان لوگوں کا ہے جنھوں نے دنیا میں اہم ایجادات وانکشافات کئے ہیں۔

ان لوگوں کا مرکز خیال یہ نکتہ بن گیا کہ انسان فطرتاً، اور خلقت وطبیعت کی بنیاد پر کچھ حقوق اور کچھ آزادیاں لے کر آیا ہے یہ آزادیاں اور یہ حقوق کوئی فرد یا جماعت یا قوم نہ چھین سکتی ہے نہ یہ شخص خود کسی کو دے سکتا ہے۔ تمام انسان، حاکم ومحکوم، سفید وسیاہ، سرمایہ دار وغریب، سب کی آزادی اور حقوق انسانی ''مساوی'' ہیں۔

یہ فکری ومعاشرتی تحریک ابھری اور اس کے نتائج پہلے انگلستان پھر امریکہ، اس کے بعد فرانس میں انقلاب کی صورت میں برآمد ہوئے۔ انقلاب آئے، نظام بدلے، بالشوِک (Bolshevik) منشور تیار ہوا، اور دوسرے فکری راستے پر اس کا اثر پڑنے لگا۔

انسانی حقوق کے فلسفے نے انیسویں صدی میں کچھ نئے فکری زاویے پیدا کئے ان کا تعلق اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی مسائل سے تھا، ان افکار نے حالات میں مزید تبدیلی پیدا کی جس کی ایک شکل ہے، سوشلزم......مزدور طبقہ کا نفع پر استحقاق سرمایہ داروں سے مزدوروں کے حامیوں کو حکومت کا انتقال......

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ''انسانی حقوق'' پر جو بحث یا عملی اقدامات ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر، حکومت کے مقابلے میں قوم یا مالک وکارخانہ دار کے مقابلے میں محنت کش طبقے سے مربوط تھی۔ بیسویں صدی میں ''مردوں کے حقوق'' اور ان کے مقابلے میں ''عورتوں کے حقوق'' کا مسئلہ اُٹھا...... ۱۹۴۸ء میں جنگ عظیم دوم کے بعد جب ''ادارۂ اقوام متحدہ'' قائم ہوا تو اس نے مساوات حقوق مرد وزن کا کھلا ہوا منشور شائع کر دیا۔

یورپ کے تمام معاشرتی انقلابوں میں، سترہویں صدی سے موجودہ صدی تک اصلی محور دو تھے:

آزادی......مساوات...... اور بس بات اس سے آگے نہیں بڑھی۔

انقلابی رہنماؤں نے یہ طے کرلیا کہ آزادی نسواں اور اس کے حقوق کی مردوں سے یکسانیت، جس کا چرچا سترہویں صدی سے شروع ہوا تھا اسی نکتہ پر ختم ہوگیا۔ انھوں

نے کہا جب تک عورت آزادی اور اس کے حقوق مرد کے برابر نہیں مانے جاتے، آزادی اور حقوق انسانی پر بحث بے معنی ہے۔ تمام خاندانی مشکلات صرف اس لئے ہیں کہ عورت نہ آزاد ہے نہ اس کے حقوق مرد کے حقوق کے برابر ہیں۔ اس پہلو کو روشن کر دیا جائے خاندانی مشکلات حل ہو جائیں گے۔

اس تحریک میں جب ہم کہتے ہیں ''نظام حقوق خاندان کا بنیادی مسئلہ'' تو اس کا مطلب ہے، آیا فطری طور پر یہ نظام کوئی مستقل نظام ہے؟ کیا اس کی منطق اور اس کے معیار دوسرے سماجی اداروں سے جدا ہیں؟ یہ سوال فکر فلاسفہ سے دور رہے۔ فکر ونظر کا رخ ایک طرف زیادہ ہے ''اصل آزادی'' اور ''اصل مساواتِ'' زن ومرد۔

دوسری لفظوں میں: حقوق نسواں کے موضوع بحث کا زاویہ یہ کلیہ رہا ''طبیعی وفطری حقوق جو چھینے نہیں جاسکتے۔'' اسی مرکز پر سارے دائرے بنتے رہے انسانیت میں عورت مرد کی شریک ہے۔ عورت ایک مکمل اور معیاری انسان ہے، اس لئے اسے مرد کی طرح ان حقوق سے بہرہ ور ہونا چاہئے جو ''فطرت نے انسان کو دیئے ہیں اور چھینے نہیں جاسکتے۔''

''طبیعی حقوق'' کی دریافت کن مصادر سے ہوتی ہے؟ ہم نے ثابت کیا کہ خود طبیعت ''طبیعی وفطری حقوق'' کا سرچشمہ وماٰخذ ہے۔ یعنی اگر انسان کو ایسے حقوق حاصل ہیں جو گھوڑے اور بکری یا مرغ وماہی کو حاصل نہیں تو اس کی تہہ میں طبیعت وخلقت کا ہاتھ ہے۔ اور اگر تمام آدم زاد ''طبیعی حقوق'' میں مساوی ہیں اور سب کو آزاد زندگی حاصل ہے تو یہ فرمان متنِ خلقت سے صادر ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری دلیل موجود نہیں ہے مساوات وآزادی کو فطری حق ماننے والے دانشوروں کے پاس بھی صرف یہی دلیل ہے۔ نظام خاندان کے بنیادی مسئلہ میں بھی ''طبیعت'' کے علاوہ کوئی ماخذ ومصدر نہیں۔

''نظام حقوق خاندان'' میں ہم جسے بنیادی مسئلہ مانتے ہیں، اس پر مفکرین کی توجہ نہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ آیا موجودہ علوم نے ثابت کر دیا ہے کہ زن ومرد کا اختلاف چند اعضاء کا معمولی سا اختلاف ہے، اس سے جسمانی ڈھانچے اور ان نفسیات میں کوئی فرق نہیں پڑتا جن سے حقوق کا تعلق ہے؟ اور اس کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ موجودہ معاشرتی فلسفے میں اسی وجہ سے کوئی نیا گوشوارۂ حساب نہیں کھلتا؟

اتفاقاً معاملہ برعکس ہے۔ حیاتیاتی ونفسیاتی علوم کی ترقی نے جو انکشافات کئے ہیں ان سے دونوں جنسوں کے فرق نمایاں اور بہت زیادہ روشن ہوئے ہیں ماہرین حیاتیات، فیزیالوجی، اور سائیکالوجی جاننے والوں کے تحقیقات کا حوالہ آگے دیا جائے گا۔ حیرت ہے کہ ان باتوں کے باوجود ایک بنیادی مسئلہ زینتِ طاق نسیاں کر دیا گیا۔

اس غفلت وبے توجہی کا شاید یہ سبب ہو کہ تحریک تیزی سے ابھری لہٰذا جہاں اس نے عورتوں کی بہت سی بدبختیوں کو دور کیا وہاں کچھ مجبوریاں اور بدنصیبیاں اس کو تحفہ میں دیں اور انسانی معاشرے کو بھی اس لپیٹ میں لے لیا۔

چنانچہ یورپ کی عورت، بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک معمولی اور روزمرہ کے حقوق سے بھی محروم تھی۔ اسی زمانے میں اہل مغرب کو تلافیِ مافات کا خیال آیا۔

مساوات و آزادی کے نام سے متعدد تحریکیں وجود میں آچکی تھیں انھیں میں مسئلہ زیر بحث بھی تھا۔ ''آزادی و مساوات'' دو لفظوں سے معجزہ آفرینی کی امید لگانے والے سب مسائل انھیں سے حل کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ بھول گئے کہ مساوات و آزادی کا رشتہ خود ''انسان کے بحیثیت انسان'' کے زاویے سے پیدا ہونے والے تعلقات کا پابند ہے۔ منطقی زبان میں ''مساوات و آزادی انسانی حق ہے اس حیثیت سے کہ وہ انسان ہے'' عورت چونکہ ایک حیثیت سے انسان ہے، لہٰذا ہر انسان کی طرح آزاد پیدا ہوئی ہے اور مساوی حقوق کی مالک ہے۔ لیکن عورت چند مخصوص کیفیات کی حامل انسان ہے۔ اور مرد دوسرے کیفیات کا حامل انسان ہے۔ عورت و مرد انسانیت میں ''برابر'' ہیں، لیکن یہ دو طرح کے انسان ہیں۔ ان کی خصلتیں دو الگ الگ طرح کی ہیں، ان کے نفسیات دو قسم کے ہیں اور یہ دوئی جغرافیائی، تاریخی یا معاشرتی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی اساس عین تخلیق کے اندر رکھی گئی ہے۔ اس دوئی سے طبیعت کا ایک مقصد وابستہ ہے اور جو عمل طبیعت وفطرت کے خلاف ہوگا اس کے عوارض ناپسندیدہ رونما ہوں گے۔ جس طرح ہم نے آزادی اور انسانوں میں مساوات...... ان میں سے عورت مرد کا مسئلہ...... طبیعت کے سرچشمے سے حاصل کیا ہے۔ اسی طرح کیفیتوں کی اکائی یا دوئی میں عورت مرد کے حقوق کا سبق حاصل کرنا ہوگا۔ یوں ہی خاندانی معاشرہ۔ کم از کم ایک نیم طبیعی چیز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی طبیعت وفطرت سے لینا چاہئے۔ کم از کم یہ مسئلہ بھی قابل بحث ہے کہ حیوانات کی ''دو جنسی'' جن میں سے ایک جنس انسان ہے۔ اتفاقی عمل ہے یا تخلیقی منصوبے کا حصہ ہے؟ آیا دونوں جنسوں کا اختلاف سادہ عضوی اختلاف ہے یا بقول ''الکسیس کارل'' انسانی جسم کے سرخلیے میں اس کی جنسیت کے علامات موجود ہیں؟ کیا منطق وزبان فطرت میں مردوزن دونوں کے الگ الگ فرائض ہیں یا نہیں؟ کیا حقوق وقانون بھی یک جنسی ہیں یا دو جنسی؟ اخلاق وتربیت دو جنسی ہے یا ایک جنسی؟ سزاؤں کے بارے میں کیا رویہ ہے؟ اور ذمہ داریوں اور فرائض کی صورت کیا ہے۔

اس تحریک میں یہ نکتہ نظرانداز ہوگیا کہ مساوات وآزادی کے علاوہ بھی کچھ مسائل ہیں۔ مساوات وآزادی ایک لازمی شرط ضرور ہے مگر فقط یہی کافی نہیں۔ قانون وحقوق کی مساوات اپنی جگہ اور دونوں میں مشابہت بھی تو کوئی حقیقت ہے۔ عورت مرد کے حقوق میں برابری مادی وروحانی طور پر ایک بات ہے اور دونوں میں مماثلت اور صورت میں مشابہت دوسری بات ہے۔ اس تحریک میں عمداً یا سہواً ''مشابہت'' کی جگہ ''مساوات'' اور ''مماثلت'' کی جگہ ''برابری'' کو مان کر ایک بنا دیا گیا۔ ''کیفیت''، ''کمیت'' کے تحت الشعاع میں آگئی۔ عورت کا ''انسان'' ہونا اس کے ''عورت'' ہونے کو نظرانداز کرنے کا سبب بن گیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس بے توجہی کو فقط ایک ایسی

فلسفی غفلت کا نام نہیں دینا چاہئے جو عجلت کی بناء پر ہوئی۔ اس میں دوسرے عوامل بھی تھے جو ''آزادی'' اور ''مساواتِ زن'' کے ذیل میں قابل استفادہ تھے۔

اس مہم کے پس پردہ سرمایہ داروں کے منافع بھی کام کرر ہے تھے۔کارخانہ دار جو عورت کو گھر سے کارخانے میں لانا چاہتے تھے۔ وہ اس سے اقتصادی فائدے اٹھانے کی فکر میں تھے۔ ان لوگوں نے نعرہ لگایا۔عورت کے حقوق، عورت کی اقتصادی آزادی، عورت کی آزادی، مرد وعورت کے حقوق مساوی ہیں۔ ان لوگوں کی بدولت مطالبات نے قانونی صورت اختیار کی۔

ویل ڈیورانٹ ''لذتِ فلسفہ'' نویں فصل میں، ارسطو، نطشے، شوپن ہاور اور یہودیوں کی مقدس کتابوں سے عورت کے بارے میں حقارت آمیز رائے نقل کرتا اور کہتا ہے: انقلاب فرانس میں عورت کی آزادی کا مسئلہ موجود تھا لیکن کوئی عملی تبدیلی نہیں ہوئی۔ سن انیس سو میں عورت کو بمشکل ایک قانون ملا جس کی رو سے مرد کو عورت کے احترام کا پابند ہونا پڑا۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں عورت کے حالات میں تبدیلی آنے کے اسباب وعلل سے بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

عورت کی آزادی، صنعتی انقلاب کی بدولت ہے...... عورتیں، سستی مزدور تھیں، کارخانہ دار سرکش اور گراں قیمت مرد مزدوروں پر انھیں ترجیح دیتے تھے۔ ایک صدی پہلے انگلستان میں مردوں کو کام ملنا مشکل تھا۔لیکن مردوں سے اشتہاروں میں درخواست ہوتی تھی کہ بچوں اور عورتوں کو کارخانوں میں بھیجیں۔ آزادیِ خواتین کے لئے پہلا قدم ۱۸۸۲ء کا قانون تھا جس نے ......عظیم برطانیہ...... کی عورت کو وہ اعزاز دیا جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی۔ یعنی، عورت جو روپیہ کمائے گی وہ اسے اپنے لئے محفوظ رکھنے کا حق رکھتی ہے۔[۱]

مشینی دور کی روز افزوں ترقی، صنعتی پیداوار میں اضافہ افرادی قوت کا طلب گار تھا، پھر مصنوعات استعمال کرنے اور خریدنے والوں کو ہزار افسوں ونیرنگ سے مائل کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کی خاطر، سمعی بصری، فکری وجذباتی ذوق وہنر، فن اور آرٹ حتّٰی کہ جنسی عوامل درکار تھے جو گاہکوں کو بلا ارادہ چیزیں خریدنے پر مجبور کریں۔ یہ نئی ضرورت مجبور کر رہی تھی کہ سرمایہ دار عورت کے وجود سے فائدہ اٹھائے۔ اس مرحلے میں عورت کو استعمال کرنے کا انداز کچھ اور تھا۔ اب عورت، جسمانی قوت، کام کرنے کی صلاحیت، معمولی کاریگر،

[۱] ڈاکٹر علی شایگان: شرح قانون مدنی ایران صفحہ ۳۶۶ میں ہے:

عورت اپنی ملکیت پر جو حق رکھتی ہے اور شیعہ فقہ نے اسے شروع ہی میں تسلیم کیا وہ کچھ عرصہ پہلے اکثر قوانین ممالک میں تسلیم نہیں کیا گیا تھا اس میں یونان، روم، جرمن بھی داخل ہیں کہیں اس حق کا نام ونشان نہ تھا۔یعنی نابالغ، دیوانے اور مجور (جس کی املاک زیر تحویل حکومت ہو) کی طرح اپنی دولت خرچ کرنے کا حق نہ رکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے عورت کی شخصیت، شوہر کی ذات میں فنا تھی۔ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۲ء میں ''ملکیت زن'' کے نام سے دو قانون بنے اور عورت کی ملکیت سے کسٹوڈین شپ ختم ہوئی۔

یا پیداوار میں مرد کی شریک مساوی کی حیثیت سے نہیں دیکھی جارہی تھی۔ اب کی جاذبیت، مقناطیسی کشش، فکر وخیال کو قابو میں لانے کی قوت، ارادے بدل دینے کی طاقت اور کرامت رہن رکھنے، آبرو پیچ ڈالنے کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کا زاویہ سامنے آیا، اب پیداوار، صارف کے سر تھوپنے کی بات تھی۔ موٹی سی بات ہے اس کاروبار کے لئے، آزادی اور مساوات مردوزن، کارآمد مہم تھی۔

سیاست بھی اس عامل کو استعمال کرنے سے غافل نہ تھی۔ اخبارات میں روزانہ ایسے قصے آپ بھی پڑھتے اور دیکھتے ہوں گے۔ یہ سب عورت کے وجود سے فائدہ اٹھانے کی مہم ہے۔ اور مرد اپنے مختلف مقاصد کے لئے اسے استعمال کررہا ہے مگر آزادی ومساوات کے پردے میں۔

ظاہر ہے بیسویں صدی کا جوان اس قیمتی لمحے سے غافل نہیں۔ شادی کے بارے میں وہ خاندانی رسم ورواج سے تنگ آچکا ہے۔ مفت، کم قیمت، شکار ہاتھ آئے تو اسے خسارہ کیا ہے۔ جوانوں نے عورتوں کی آزادی ومساوات کی خاطر اس کی مظلومیت اور حقوق تلفی پر سب سے زیادہ مگر مچھ کے آنسو بہائے۔ وہ اس جہادِ مقدس میں آگے تھا، اس نے اس کام کے لئے اپنی شادی کو چالیس سال پیچھے ڈھکیل دیا کبھی کبھی تو اس نے ''مجرد'' زندگی گذارنے کی ٹھان لی۔

بے شک ہماری صدی نے عورت سے بدنصیبیوں کا ایک طومار واپس لے لیا۔ لیکن یہ بات بھی ضرور ہوئی کہ اسے نئی بدبختیوں کا تحفہ پیش کیا۔ کیوں؟ آیا عورت پابند ہے، اسے دو میں سے ایک بات ماننا ہوگی یا وہ کسی کی پابند نہیں، اسے اختیار ہے، وہ اپنی پرانی بدنصیبیاں بھی دور کرسکتی ہے اور نئی بدبختیوں کو بھی روندنے کا اختیار رکھتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عورت پر کوئی جبر نہیں ہے۔ پرانی بدنصیبیاں تو اس علّت سے پیدا ہوئیں کہ عورت کا انسان ہونا بھلا دیا گیا تھا اور نئی بدبختیاں اس سبب سے پیدا ہوئیں کہ عمداً یا سہواً، اس کا عورت ہونا، اس کی طبیعی، فطری ذمہ دارانہ حیثیت، مرکزیت، اندرونی تقاضے، خصوصی صلاحیتیں طاق نسیاں پر رکھ دی گئیں۔

عجیب بات ہے، جب مرد وعورت کے فطری اور طبیعی اختلاف کی بات چھڑتی ہے تو ایک گروپ اسے عورت کے نقائص اور مرد کے امتیازات کا قصّہ لے بیٹھتا ہے آخر کار عورت کی محرومیوں اور مرد کی کامرانیوں پر تان ٹوٹتی ہے۔

محرومی وکامیابی، نقص وکمال کا مسئلہ نہیں، کارخانۂ قدرت نے ایک کو ناقص اور دوسرے کو کامل، ایک کو کامیاب وکامران دوسرے کو محروم وناکام نہیں پیدا کیا ہے۔

یہی گروپ اس منطقی وفلسفی مفروضے کے بعد کہتا ہے۔ اچھا، فطرت نے تو عورت پر یہ ظلم ڈھا دیا، وہ ناقص وکمزور پیدا ہوئی، تو کیا ہم بھی ایک نیا سبب بنیں اور ظلم پر ظلم کا اضافہ کریں؟ اگر عورت کی طبیعی حالت کو بھلا دیں تو کیا زیادہ انسانی عمل نہیں ہوگا؟

اتفاقاً معاملہ برعکس ہے۔ عورت کی فطری وطبیعی وضع سے بے توجہی اس کے حقوق پائمال ہونے کا بڑا سبب بنی۔ اگر مرد محاذ لگائے اور عورت سے کہے: ہم تم برابر، کام کاج ذمہ داریاں، فائدے، نتائج، سزائیں سب ملتی جلتی ہوں گی

بھاری اور مشکل کاموں میں شریک ہو، برابر کھڑی ہو، اپنی طاقت کے مطابق کام کرو اور اسی کی بنیاد پر مزدوری۔ ہم سے احترام ونگہداشت کی توقع نہ رکھنا۔ اپنے روزمرہ اخراجات خود مہیا کرو، اولاد کے اخراجات میں اپنا حصہ دو۔ خطرے میں اپنی حفاظت خود کرو، ہم تم پر خرچ کرتے ہیں تم ہم پر اپنے پیسے خرچ کرو......عورت، معرکے میں پھنس جائے گی اس کی قوت کارکردگی طبیعی طور پر کم اور روپے کا خرچ زیادہ ہے۔ ماہواری روگ، زمانہ حمل کی بے چینی، وضع حمل کی سختی، شیرخوار کی دیکھ بھال، عورت کو ایسی صورت حال سے دوچار کرنے والی چیزیں ہیں جہاں اسے مرد کی سربراہی درکار ہوتی ہے، ذمہ داریاں کم اور آمدنی زیادہ چاہئے۔ یہ سب کچھ انسان ہی نہیں، جوڑے جوڑے زندگی بسر کرنے والے ہر جاندار کا معاملہ یہی ہے۔ تمام حیوانات میں غریزہ وفطرت کے زیر اثر مادہ کی حمایت نر کا فریضہ ہے وہ مادہ کی حفاظت پر کمربستہ وحملہ آور رہتا ہے۔

مردوزن کی طبیعی وفطری ساخت کو سامنے رکھا جائے۔ انسان ہونے میں مساوی سمجھا جائے۔ انسانی حقوق کو مشترک مانا جائے، تو ''عورت'' کو نہایت مناسب مقام مل سکتا ہے۔ ایسا مرتبہ جہاں نہ اس کی ذات کچلی جائے نہ اس کی شخصیت کو نقصان پہنچے۔

زن ومرد کی فطری وطبیعی حیثیت کو فراموش کرنے، اور صرف آزادی ومساوات پر اکتفا کرنے کے نتائج سے آگاہی کے لئے کچھ اخباری جائزہ لیتے ہیں اور جائزہ بھی ان کا جو ہم سے پہلے اس راستے سے گذرے بلکہ منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ دیکھئے وہ کیا کہتے اور کیا لکھتے ہیں۔

رسالۂ ''خواند نیہا'' شمارہ ۷۹، ۱۳۳۴ش ۴ تیر ماہ ۵۳ شمسی (مطابق جولائی ۱۹۷۴ء) ماہ نامہ ''شہربانی'' کا مقالہ ہے۔ ''سرگذشتہای از زنانِ کارگر در جامعۂ امریکا''...... امریکی معاشرے میں محنت کش عورتوں کی سرگذشت......رسالۂ ''کرنٹ'' کے مضمون کا ترجمہ۔

مقالہ پڑھنے کے قابل ہے۔ شروع میں ایک خاتون کا درددل نقل ہے، نیز زن ومرد کی مساوات کا تذکرہ اور ان رعایتوں کا بیان جو گذشتہ زمانے میں مزدور عورتوں کو دی جاتی تھیں۔ مثلاً

۲۵ پونڈ سے زیادہ وزن نہ اٹھائیں، جب کہ مردوں کو یہ رعایت حاصل نہ تھی۔

آج عورت اس رعایت سے محروم ہے۔ صوبہ اہایو کی ورکشاپ ''جنرل موٹر'' کو عورتوں کی سزا کا مرکز کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ ڈھائی ہزار خواتین یہاں کام کرتی ہیں...... یہ خاتون ایک بڑے گیس پلانٹ کی دیکھ بھال پر متعین ہیں اور کبھی انھیں ایک بھٹی کی صفائی کرنا پڑتی ہے۔ یہ فولادی بھٹی ۲۵ پاونڈ کی ہے، جسے قوی ہیکل مرد نے سیٹ کیا ہے۔ خاتون زیرلب کہتی ہیں: میں اندر سے چور چور اور باہر سے زخمی ہوچکی ہوں............ میرا کام تھا کہ ہر لحہ ایک ہتھوڑا اٹھاؤں جس کا طول پچیس سے پچاس انچ تک اور وزن پینتیس پاونڈ۔ یہ ہتھوڑا ایک کانٹے میں لٹکانا پڑتا تھا۔ میرے ہاتھوں پر ہمیشہ ورم اور ہڈیوں میں درد رہنے لگا۔''

مضمون میں ایک اور خاتون کا درددل، پریشانی وبے

چینی کی داستان ہے۔اس کا شوہر بحریہ میں قلی تھا۔ایک مرتبہ بحریہ کے افسرِاعلیٰ نے مردانہ جہاز میں کچھ عورتوں کی بھرتی کا اعلان کیا...... لکھتی ہے، ان دنوں بحریہ کے ایک جہاز میں چالیس عورتیں اور چار سواسی مرد ڈیوٹی پر بھیجے گئے۔جب یہ جہاز اپنے پہلے مخلوط سفر سے واپس آیا تو قلیوں کی بیویاں خوف وہراس زدہ تھیں۔انھیں تھوڑی ہی دیر میں محسوس ہونے لگا تھا کہ یہاں خالی خولی عشق کی داستانیں ہی نہیں بلکہ ہر عورت کو کئی کئی اشخاص کی جنسی پیاس بجھانا پڑے گی۔''

مقالہ نگار لکھتا ہے: فلورائیڈ میں آزادی کے بعد بیوہ عورتوں کو عجیب پریشانی کا سامنا ہے۔ یہاں قانون کے مطابق ہر بیوہ کو پانچ سو ڈالر تک ٹیکس معاف تھا۔ ایک جج ''ٹامس ٹسٹاؤ'' نے اس قانون کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ اور کہا کہ یہ قانون مردوں کے حق میں مداخلت کرتا ہے (اور صرف عورتوں کو رعایت دیتا ہے)۔

آگے لکھتا ہے: مسز میک ڈانلڈ کے ہاتھوں میں سوزش (جلن) تھی مسز اسٹون (جن کے شوہر قلی تھے) ایک مصیبت سے دوچار ہوئیں، صوبہ فلورائڈ میں بیوہ عورتوں پر نقد جرمانہ ہوا ہے۔اب ہر ایک آزادی کا مزہ چکھے گی۔ بہت لوگوں کے ذہن میں یہ سوال آرہا ہے کہ خواتین نے جن حقوق سے فائدہ اٹھایا تھا کیا اس سے زیادہ اب نقصان برداشت نہیں کررہی ہیں؟ خیر یہ بحث بے فائدہ ہے کیونکہ کھیل شروع ہوچکا، تماشائی اپنی اپنی کرسیاں حاصل کرکے بیٹھ چکے اب کئی سال طے ہوا ہے کہ امریکہ کے آئین کا ستائیسواں ''ترمیم شدہ پیراگراف'' منظور ہو جس کے مطابق جنسی اختلافات کی برتری خلاف قانون قرار پائے............ اور یوں ان بیانات کی تصدیق ہوجائے جو ھارورڈ یونیورسٹی کے استاد قانون رسکو باؤنڈ نے دیئے تھے۔''امریکہ میں عورتوں کی آزادی عورت کے قانونی خصوصیات کی بنا پر افسوسناک نتائج کا باعث ہے......

کیرولین شمالی کی سنیٹر ''جی ایروین'' نے امریکہ کے معاشرتی مطالعے کے بعد تجویز رکھی تھی......خاندان سے متعلق قوانین مکمل طور پر بدل دیئے جائیں۔اب مرد کو قانونی طور پر خاندان کے اخراجات کا ذمہ دار نہ ہونا چاہئے۔

یہ رسالہ لکھتا ہے: ''خانم میکڈانلڈ'' کے بقول، ایک خاتون بھاری بوجھ اٹھانے کی وجہ سے سیلان خون کی شکایت میں مبتلا ہیں۔ ہم اپنی پرانی صورت حال میں واپس جانا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرد عورتوں سے عورتوں کا سلوک کریں، مزدور جیسا نہیں۔آزادی نسواں کے حامیوں کی نظر میں یہ بات بہت معمولی ہوگی کہ اپنے شاندار ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کہیں: عورت مرد برابر ہیں۔ ان حضرات نے اب تک کارخانوں کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ انھیں خبر نہیں کہ اس ملک کی اکثر مزدور خواتین کارخانوں میں کام کرتے کرتے جان پر کھیل رہی ہیں۔ہمیں یہ برابری نہیں چاہئے ہم سے مردوں کے کام نہیں ہوتے۔ مرد، جسمانی لحاظ سے ہم سے زیادہ مضبوط ہیں۔ اگر یہ طے ہوجائے کہ ہم ان کے مقابلے میں کام کریں اور ہمارے کام کا ان کے کام سے موازنہ ہو تو ہم اپنی حد تک مستعفی ہیں۔ ''صوبہ اھایؤ'' میں مزدوروں کے قانون تحفظ حقوق سے جو

کچھ پایا ہے، اس سے زیادہ کھویا ہے۔ ہم نے اپنی نسوانی شخصیت ضائع کردی ہمیں آزادی کے بعد نہیں معلوم کہ فائدہ کیا ہوا۔ ہوسکتا ہے، گنتی کی چند عورتوں نے بہتر حالات دیکھے ہوں لیکن ہم بہرحال ان میں نہیں ہیں۔''

یہ تھا اس مقالہ کا خلاصہ، مضمون کے اندراجات سے صاف نظر آتا ہے کہ خواتین ومساوات'' کے نام سے جن مشکلوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوئیں اس کے نتیجے میں انھیں ان دونوں لفظوں سے چڑھ ہوگئی۔ وہ بھول میں ہیں ان دونوں لفظوں کا گناہ کوئی نہیں۔ زن ومرد، دوالگ الگ مداروں کے دوستارے ہیں۔ دونوں کو اپنے اپنے مدار اور اپنے اپنے دائروں میں گردش کرنا چاہئے ''لَا الشَّمْسُ لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ......'' ''سورج کو حق نہیں کہ چاند کو جاکر پکڑے اور نہ رات دن سے آگے جاسکتی ہے ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گردش کررہا ہے'' مرد وزن کی اصل سعادت اسی میں ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں دوجنس رہ کر اپنے اپنے دائرہ کار میں سفر جاری رکھے۔ آزادی وبرابری کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا، جب ہر ایک اپنی فطری وطبیعی راہ سے بے راہ نہ ہو۔ معاشرے میں خلفشار پیدا ہونے کا سبب فطرت وطبیعت کے فرمان سے سرتابی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔

''نظامِ حقوقِ خواتین، خاندان اور معاشرے میں''

ہم مدعی ہیں کہ یہ مسئلہ اساسی مسئلہ ہے اوراس پر نئے سرے سے نظر کرنا چاہئے۔ گذشتہ اقدار پر اکتفا نہ کی جائے، ازسرِ نو اقدار دریافت ہوں۔ اس بارے میں سب سے پہلے طبیعت وفطرت کو رہنما اصول بنائیں۔ دوسرے مرحلے میں گذشتہ اورموجودہ صدیوں کے تلخ وشیریں تجربے سامنے اوران سے فائدہ اٹھائیں۔ اس وقت تحریک حقوقِ خواتین صحیح معنی میں کامیاب طور پر بڑھ سکے گی۔

❁❁❁

(بقیہ..........اردو میں قرآن مجید کی پہلی شیعہ تفسیر)

کرنے کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ ایک تو میں خود جاہل محض ہونے کی وجہ سے کسی پر نکتہ چینی کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ ایک علمی اورادبی گفتگو تھی۔ اس کو اسی کے تقاضوں کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا جو بحمد اللہ مکمل ہوگئی۔ میں نے اس آخری مضمون میں اردو میں قرآن مجید کی تفسیر کی اولیت اوراس پر مختلف الزام یا اعتراض اورشکوک وشبہات کو حتی الامکان تحقیق کرکے مضبوط دلائل سے رد کردیا ہے۔ اس کے لئے اللہ کے کرم اور مولاؑ کی عنایت کا شکر ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ اگر میرے اس سلسلہ مضامین میں کہیں پر بھی کسی طرح کی کوئی ایسی لفظ یا جملہ آگیا ہو جو کسی کے وقار کے منافی ہو یا شان کے شایان نہ ہو تو میں اس سے دست بستہ معذرت طلب ہوں۔ خدا کرے کہ اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہوگیا ہو اور مزید کسی مضمون کی ضرورت نہ ہو

❁❁❁